Fikr-o-Nasar (Islamabad) 4:7 (1967)
© rasailojaraid.com

انتقاد

مولانا محمد احسن نانوتوی

مصنف : محمد ایوب قادری

۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے دہلی میں ایک نئی علمی و فکری زندگی کے آثار پیدا ہو رہے تھے، جن کا سرچشمہ و مصدر دہلی کالج تھا، اس کالج میں عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی داخلِ نصاب تھی۔ خوش قسمتی سے وہ مکتبِ فکر جس کی بِنا شاہ ولی اللہ اور اُن کے صاحب زادہ و جانشین شاہ عبدالعزیز نے دہلی میں رکھی تھی، اُس سے انتساب رکھنے والے بعض اہلِ علم دہلی کالج میں اُستاد تھے، جن سے اُس دَور میں طالبانِ علم کی ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا، اور وہ ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔

مولانا رشید الدین خان نے ۱۸۲۵ء میں سر سید کے الفاظ میں "عہدہ مدرسی مدرسہ شاہجہان آباد (دہلی کالج) قبول فرمایا" موصوف شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان شاہ رفیع اللہ، شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کے تربیت یافتہ تھے۔ اُن کے ساتھ ہی اُن کے شاگرد مولانا مملوک علی کا بحیثیت نائب مدرس کے تقرر ہوا۔ جو اپنے اُستاد کے انتقال کے بعد ۱۸۴۱ء میں صدر مدرس بنا دیئے گئے، مولانا مملوک علی اپنی وفات ۱۸۵۱ء تک دہلی کالج میں اپنے اس عہدے پر فائز رہے اور اُن سے اہلِ علم کی ایک کثیر تعداد نے فیض حاصل کیا۔ ان میں سے ایک اُن کے ہم وطن اور رشتہ دار مولانا محمد احسن نانوتوی بھی تھے، جن کے سوانح حالات پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

مولانا مملوک علی دہلی کالج کے علاوہ گھر پر بھی درس دیا کرتے تھے، اُن سے کالج میں پڑھ کر جو نکلے،

اُن میں سے اکثر حکومت انگریزی کی ملازمتوں میں چلے گئے، جن میں سے خود اُن کے صاحب زادہ مولانا محمد یعقوب، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے والد مولانا ذو الفقار علی دیو بندی، مولانا شبیر احمد عثمانی کے والد مولانا فضل الرحمٰن دیو بندی اور مولانا محمد احسن نانوتوی اور اُن کے دو بھائی مولانا محمد مظہر اور مولانا محمد منیر تھے۔ مولانا مملوک علی کے شاگردوں میں سے جنہوں نے اُن سے گھر پر تلمذ کیا۔ مولانا محمد قاسم بانی دیو بند اور مولانا رشید احمد گنگوہی کو جو شہرت حاصل ہوئی، اُس کا کس کو علم نہیں۔

اگر ۱۸۵۷ء کے خوں ریز حوادث دہلی کی ان علمی سرگرمیوں کا سلسلہ بند نہ کر دیتے، اور دہلی کالج کے اندر اور باہر مشرقی اور جدید علوم میں جس طرح اتصال ہو رہا تھا، وہ اسی طرح جاری رہتا۔ تو آج ہماری علمی و فکری زندگی کا بالکل دوسرا رُخ ہوتا، اور ہماری تعلیم قدیم اور جدید میں بٹ کر جس طرح ملّی زندگی کے موجودہ ذہنی و علمی خلفشار کا باعث بن رہی ہے اُس سے ہم محفوظ رہتے۔ ۱۸۵۷ء کے المناک واقعات نے ہمارے علمائے کرام کو انگریزی حکومت اور اُس کے لائے ہوئے علوم و فنون سے جنہیں حاصل کرنا وہ ۱۸۵۷ء سے قبل چنداں معیوب نہیں سمجھتے تھے، اتنا متنفر کر دیا کہ اُنہوں نے عصرِ حاضر اور اُس کے تقاضوں سے یکسر منہ موڑ لیا۔ اس طرح ہماری دینی زندگی سرتاپا قدامت و رجعت پسندی کی مرادف بن گئی، اور اس میں اور جدید زندگی میں اتنی گہری اور وسیع خلیج پیدا ہو گئی کہ اب اُس کا بھرا جانا ناممکن نظر آتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں مولانا محمد احسن نانوتوی کے حالاتِ زندگی پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کالج اور دہلی کے مکتبِ ولی اللّٰہی کے علمی معدنوں سے کتنے بے بہا جوہر حاصل ہو سکتے تھے، جن کا کہ افسوس سلسلہ ۱۸۵۷ء کے بعد بند ہو گیا۔ اور مسلمان ان شاندار علمی روایات سے محروم ہو گئے۔ مولانا موصوف گھر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی پہنچے، مولانا مملوک علی اُن کے قریبی عزیز تھے، مولانا محمد احسن نے اُن سے بھی پڑھا، اور دہلی کالج میں بھی وہ داخل ہو گئے، جہاں اُنہوں نے انگریزی زبان کی اتنی استعداد بہم کر لی کہ بعد میں سرسید کی فرمائش پر ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ اُردو میں کیا، اور نیچرل فلاسفی پر ایک مضمون لکھا جو مسٹر ٹیلر پرنسپل دہلی کالج کی نگرانی میں دو مرتبہ طبع ہوا، ایک کتاب اُنہوں نے اُصول جرِّ ثقیل پر لکھی۔

اس کے علاوہ مولانا محمد احسن نانوتوی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ اُنہوں نے پہلی بار شاہ ولی اللّٰہ صاحب کی سب سے مشہور اور ضخیم دو کتابیں، یعنی حجۃ اللّٰہ البالغہ اور ازالۃ الخفا تصحیح کر کے چھپوائیں۔ اُنہوں نے اپنی ملازمت کے دوران بریلی میں ایک چھاپہ خانہ قائم کیا، جس سے بہت سی کتابیں شائع کی گئیں، آپ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کا اردو ترجمہ کیا، جو ۱۸۶۹ء میں پہلی بار چھپا۔

مولانا محمد احسن نے ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ بھی دیکھا، لیکن وہ اس میں اپنے دوسرے بزرگوں کی طرح شریک نہیں ہوئے، اُن کے نزدیک اس میں شرکت جہاد کے تحت نہیں آتی تھی، آپ نے بڑی مصروف زندگی گزاری، تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و ترجمہ کا کام بھی جاری رہا، جو استفتاء آتے تھے، اُن کے جواب بھی دیتے تھے، پریس کی نگرانی بھی کرتے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ساری زندگی بڑی منضبط تھی۔ اور ہر چیز کا برابر حساب رکھتے۔

ہمارے ایسے ہی بزرگ تھے، جن کے دم سے اسلامی ہند کے اُس عہد میں مسلمانوں کی علمی سیادت قائم تھی، اور جو درس گاہوں سے فارغ التحصیل ہو کر مملکتوں کے وزیر و مدبر بنتے تھے۔

محمد ایوب قادری صاحب نے زیرِ نظر کتاب میں ایک واقعہ، جو مولانا مرحوم کو بریلی میں پیش آیا۔ بیان کیا ہے جس سے مولانا محمد احسن کی صحیح عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ قادری صاحب لکھتے ہیں:-

"مولانا محمد احسن بریلی میں علوم اسلامی کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے تھے۔ مولانا کے مطبع صدیقی سے اسلامی و تبلیغی لٹریچر خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و افکار کی خوب نشر و اشاعت ہو رہی تھی۔ مولانا بریلی کالج کے علاوہ طلباء کو گھر پر بھی درس دیتے تھے۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم تھا۔ مدرسہ مصباح التہذیب کے ذریعہ اسلامی علوم و فنون کی تعلیم جاری تھی۔ مولانا محمد احسن کی یہ مذہبی و علمی خدمات بعض مسائل میں اختلاف کی وجہ سے بعض علماء کو ناگوار ہوئیں ...."

یہ اختلاف "امکان و امتناع نظیر" کے مسئلے پر ہوا، اتفاق سے مولانا محمد احسن نے ایک ایسے فتوے پر، جو مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے مرتب کیا تھا، مہر ثبت کر دی تھی، جس میں حضرت ابن عباس کے ایک اثر کی تائید ہوتی تھی، جو امکان نظیر کے بارے میں ہے، اس پر ہنگامہ ہوا، اور مولانا مرحوم کی تکفیر کی گئی۔ اس کے نتیجے میں مدرسہ مصباح التہذیب بند ہو گیا۔ مولانا بریلی میں نماز عیدین پڑھایا کرتے تھے، اس پر اعتراض ہوا، مولانا نے عید کے دن عید گاہ سے فریق مخالف کے سربراہ کو لکھا۔

"میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں، پڑھانا نہیں چاہتا، آپ تشریف لائیے، جسے چاہیے امام کیجئے، میں اس کا اقتداء کروں گا"

مولانا نے اصلاحِ حال کے لئے یہاں تک کیا کہ سربراہ موصوف کے ایک ساتھی کو لکھا کہ میں نے تو دوسرے علماء کی رائے کی تصدیق کی ہے اور بس۔ مجھ کو اس تحریر پر اصرار نہیں جس وقت علماء کے اقوال یا کتب مستندہ سے

آئیں، غلطی ثابت ہو گی، میں فوراً اس کو مان لوں گا۔ مگر مولوی صاحب نے براہِ مسافر نوازی کوئی غلطی تو ثابت نہ کی اور نہ مجھ کو اس کی اطلاع دی بلکہ اوّل ہی کفر کا حکم شائع فرمایا۔ اور تمام بریلی میں لوگ اس طرح کہتے پھرے۔ خیر میں نے خدا کے حوالہ کیا۔ اگر اس تحریر سے میں عند اللہ کافر ہوں، تو توبہ کرتا ہوں۔ خدا تعالےٰ قبول کرے۔ زیادہ نیاز۔ عاصی محمد احسن عفی عنہٗ"

ضمیمہ میں مصنف نے مولانا مملوک علی، مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم کے مختصر حالاتِ زندگی جمع کر دیئے ہیں۔

مصنف نے مولانا محمد احسن صاحب پر یہ کتاب لکھ کر ایک بڑی کمی پوری کر دی ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے تعارف میں بالکل صحیح فرمایا ہے:۔ مصنف نے "ایک ایسے بزرگ کے تذکرہ کو زندہ کیا جس کو زمانہ کی تاریخ نے یکسر فراموش کر دیا تھا........"

کتاب کی کتابت اور طباعت اوسط درجے کی ہے، ضخامت ۲۸۰ صفحے اور قیمت چار روپے ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ مکتبۂ عثمانیہ۔ ۲۲۸۰ پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی ۵۔ (م۔س)

مکتوبِ مدنی: شاہ ولی اللہ صاحب کے دور میں اور اُس سے پہلے بھی صدیوں تک مسلمان اہلِ فکر اور بالخصوص صوفیہ میں وحدت الوجود کا مسئلہ بڑا اہم رہا ہے اور اسے تمام سوالوں میں سے سب سے بڑا سوال اور سب مسئلوں میں سے سب سے بڑا مسئلہ سمجھا جاتا رہا ہے۔

کائنات کا یہ معا کیا ہے؟ اور ہمارے گرد وپیش کی یہ دنیا کس طرح ظہور پذیر ہوئی؟ اِن حقائق پہ آزاد ذہن کے ساتھ غور و فکر کرنا اور اُن کو سمجھنا "وجود اصلی" کی حقیقت اور اُس کے تنزلات کا فلسفہ کہلاتا ہے۔ متاخرین صوفیہ میں سے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ اس فن کے امام تھے۔ شاہ ولی اللہ کی تربیت کرنے والوں میں سب سے پہلے آپ کے والد شاہ عبدالرحیم متوفی ۱۱۳۱ھ ہیں۔ موصوف ابنِ عربی کے اس فلسفہ کے ماہر اُستاد تھے۔ شاہ ولی اللہ بھی وحدت الوجود کے ماننے والے تھے اور اس کو اساس بنا کر شرائع الٰہیہ کی تشریح فرماتے تھے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے اس تصور وحدت الوجود کے خلاف امام ربانی مجدد الف ثانی نے وحدت شہود کی دعوت دی۔ شاہ ولی اللہ نے شیخ اکبر کے وحدت الوجود اور امام ربانی کے وحدت الشہود کے تصوراتِ توحید میں بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے اس کو رفع کیا اور دونوں کو اصلاً ایک ثابت کیا۔ شاہ صاحب نے "مکتوبِ مدنی"

© rasailojaraid.com